ولایت نامہ

یکے از تصنیفات

علّامہ نصیرُالدّین نصیرؔ ہونزائی

خانۂ حکمت ○ اِدارۂ عارف

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۱۸/۴۴

ولایت نامہ

یکے از تصنیفات

علّامہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

ISWLS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

خانۂ حکمت، ادارۂ عارف

۳-اے، نور ویلا - ۲۶۹ گارڈن ویسٹ
کراچی - ۳ (پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

ابتدائیّہ

اہلِ بصیرت سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں کہ ہمارے مقدّس مذہب کے جن جلیل القدر اور بلند پایہ بزرگوں نے دینی علوم کی پُر مغز اور گرانمایہ کتابیں لکھی تھیں، ان کا اکثر حصّہ زمانے کے حادثات اور انقلابات کے نتیجے میں ضائع ہو چکا ہے، کچھ کتابیں نایاب ہیں، اور جو کتب دستیاب ہو سکتے ہیں، وہ عربی یا فارسی میں ہونے کی وجہ سے یا ان کے مشکل الفاظ و اصطلاحات کے سبب سے طلباء و طالبات کی سمجھ سے بالاتر ہیں، لہٰذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ موجودہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اردو زبان میں ضروری مضامین اور لازمی کتب مہیّا کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا جائے اور اس پر باقاعدگی سے عمل ہو۔

یقیناً آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میری اور ہمارے ادارے کی طرف سے یہی کوشش جاری ہے کہ مذہبی لٹریچر کی ایک وافر مقدار اردو میں ہو، چنانچہ اسی علمی منصوبے کے سلسلے میں مجھے حکم ملا ہے کہ کچھ ضروری موضوعات پر اپنی محدود معلومات کے مطابق قلمی جدوجہد کرتا رہوں۔ پس یہ مقالہ اس حکم کی تکمیل کی ایک کوشش ہے۔

مقالۂ ہذا میں "ولایت" کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، کوئی شاید پوچھے کہ کیوں اور کس لیے؟ اس لیے کہ ولایت اسلام کے سات ستون میں اوّلین اور اہم ترین رکن کا درجہ رکھتی ہے اور اسی ولایتِ ولی کے رکن سے دوسرے تمام ارکان کی حقیقت و معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ ولایت ہی ہے جس میں خدا و رسولؐ اور امامِ برحقؑ کی اطاعت و محبت کا ذکر آتا ہے اور ولایت ہی کی روشنی میں ولیِّ امر کا ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے کہ صاحبِ امرؑ دنیا میں حیّ و حاضر ہیں۔

اس کتابچے کے سات چھوٹے چھوٹے باب بنائے گئے ہیں، چنانچہ بابِ اوّل میں اللہ تعالیٰ کی دوستی کا ذکر ہے، بابِ دوم میں خدا کی دوستی کا وسیلہ بتایا گیا ہے، بابِ سوم میں رسولِ خداؐ کی دوستی کا بیان ہے، بابِ چہارم میں امامِ عالیمقامؑ کی دوستی کے بارے میں بحث کی گئی ہے، بابِ پنجم میں مومنین سے دوستی رکھنے کے دلائل پیش کیے گئے ہیں، بابِ ششم نیک اعمال کی دوستی و محبت سے متعلق ہے اور بابِ ہفتم خلاصۂ مطالب کے عنوان سے ہے۔

ولایت کے اس موضوع کا پورا مطلب کسی قاری کی سمجھ میں اس وقت آ سکتا ہے، جبکہ وہ اس کتابچے کو شروع سے لے کر آخر تک بغور پڑھ لے، ہر چند کہ اس میں کہیں کوئی الجھن نہیں، اور نہ ہی اس کے ذیلی مطالب ادھورے ہیں بلکہ یہ صاف صاف حقیقتیں ہیں، بات صرف اتنی سی ہے کہ بہت سے مقاصد کے حصول کے بعد

کہیں مقصدِ اعلیٰ حاصل ہو سکتا ہے۔

اگرچہ خدا و رسولؐ اور زمانے کے امامؑ کی ولایت حقیقت میں ایک ہی ہے، جس طرح ان مقدس ذوات کی ہدایت و اطاعت فی الاصل ایک ہی ہے، لیکن ہم نے اس موضوع میں آسانی سے مطلب سمجھانے کی خاطر ولایت کا درجہ وار ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جگہ جگہ اس میں ایسے اشارے بھی کئے ہوئے ہیں، جن سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ ولایت کئی درجات پر مشتمل ہونے کے باوجود اصلاً ایک ہی حقیقت کی حیثیت سے ہے۔

اس مضمون کے جملہ حقائق و معارف آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویؐ کی روشنی میں لکھے گئے ہیں، جس سے دیدہ ورقاری کو نہ صرف یہی کہ نفسِ مضمون کے متعلق یقینِ کامل حاصل ہو سکتا ہے، بلکہ اس سے یہ امر بھی یقینی ہو جاتا ہے کہ اسے قرآن و حدیث اور بزرگانِ دین کی کتابیں سمجھنے میں مدد مل جائے، کیونکہ یہاں جو کچھ درج ہوا ہے وہ علمِ دین کے اصولات میں سے ہے۔

آپ کو میرا پُرخلوص مشورہ یہ ہے کہ اگر آپ حصولِ علمِ دین کے سلسلے میں تائیدِ الٰہی اور اسرارِ کماہی کا کرشمہ اور معجزہ دیکھنا چاہتے ہیں، تو ہر پُرمغز دینی کتاب اور مقالے کا ایک بار مطالعہ نہیں بلکہ بار بار مطالعہ کیجیے، تاکہ وہ تمام مطالب جو جُدا جُدا تھے یکجا ہو کر ایک دوسرے کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالیں اور آپ کے دل میں ان

سب کی روشنیوں سے حکمت کا نور منور ہو، اور اس امر کا اصل سبب وہ تائیدِ الٰہی ہے جو تلاشِ حقیقت کی اس عملی عبادت کے نتیجے میں کسی خوش نصیب مومن کو حاصل ہوتی ہے۔ بہر حال دینی علم کی باتوں میں باربار غور و فکر کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

ولایت فی الواقع اُس خلافت و نیابتِ الٰہیّہ کا دوسرا نام ہے، جس کے سلسلے کا آغاز حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے میں ہوا تھا، اور یہ سلسلہ انبیائے کرامؑ کے بعد ائمّۂ عظامؑ کے توسّط سے قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امامِ زمان علیہ السّلام جو اپنے وقت میں خدا کی جانب سے روئے زمین کے خلیفہ ہیں، ولیِّ امر بھی ہیں اور ان کی ولایت تمام مومنین پر واجب ہے، تاکہ خدا تعالیٰ اور پیغمبرِ آخرینؐ کی مبارک و مقدّس خلافت کی نورانی ہدایت و رہنمائی کی روشنی میں دینی اور دنیاوی ترقی کی منزلیں طے ہو سکیں۔

فقط آپ کا علمی خادم

نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

بروز شنبۂ مبارک، ۲۶، ماہ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ

۸، فروری ۱۹۷۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

خدا کی دوستی

اہلِ ایمان کے لیے یہ جاننا ازبس ضروری ہے کہ قرآنِ پاک اپنے پُرحکمت اشارات وکنایات کے علاوہ نصوصِ صریحہ میں بھی اللہ تعالیٰ کی ولایت و دوستی کو مسلمین و مومنین کا اہم ترین اور اوّلین فریضہ قرار دیتا ہے، اور دین و دنیا کی ہر مشکل اور صعوبت میں اسی اللہ پاک کی تائید و نصرت اور یاری و دستگیری طلب کرنے کے لیے تاکید فرماتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام طریقے بھی سمجھا دیتا ہے، جو ربّ العزّت کی دوستی حاصل کرنے اور اس سے استعانت و مدد چاہنے کے لیے مقرّر ہیں، چنانچہ ہم یہاں پر سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی روشنی میں لفظِ ولایت کو زیرِ بحث لاتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا مبارک فرمان ہے:۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقِّ ط هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ؁۱۸

"ایسے موقع پر سرپرستی اللہ برحق ہی کی ہے، اسی کا ثواب سب سے اچھا اور اسی کا انجام سب سے بہتر ہے۔" ولایت کے معنی کسی کام کے متولّی ہونے کے ہیں۔ یعنی سرپرستی کے، نیز اس کے معنی ہیں دوستی، مدد، حکومت اور کارسازی، اور یہ تمام معانی آپس میں ملے ہوئے ہیں، یعنی ان تمام کا آخری مطلب ایک ہی ہے، اس آیۂ کریمہ سے نہ صرف خدائے برحق کی ولایت و دوستی فرض ہونے کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ ولایت کی وسعتِ معنی کے لیے بھی دلالت کرتی ہے۔
اللہ تعالیٰ کے مبارک و مقدس اسماء میں سے ایک پاک اسم "الولیّ" ہے۔ جو ولایت کی صفت رکھتا ہے، جس کا اوپر ذکر ہوا، چنانچہ قرآنِ مجید میں جہاں جہاں لفظِ ولی آیا ہے، وہاں اکثر یہ فرمایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا لوگوں کا کوئی ولی نہیں، جیسے ارشاد ہے کہ: وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۲۲ؕ اور خدا کے سوا تمہارا نہ کوئی سرپرست ہے، نہ مددگار۔ نیز ارشاد ہے کہ: وَاعْتَصِمُوْا بِاللهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۲۲ؕ اور خدا ہی کو مضبوط پکڑو وہی تمہارا سرپرست ہے تو کیسا اچھا سرپرست ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔ لفظِ ولی اور مولا ایک ہی مصدر سے ہیں اور یہ دونوں ہم معنی بھی ہیں۔
اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبّت کن لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے اور ان کے کیا اوصاف ہوتے ہیں اور جو لوگ خدا کی دوستی کے قابل نہیں ہو سکتے، اس کی کیا کیا وجہیں ہیں، اس کا مفصّل بیان قرآنِ مقدّس میں

موجود ہے، چنانچہ ذیل میں اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

پروردگارِ عالم کی مبارک محبّت کی بنیادی شرط حضرت محمد مصطفیٰ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی و اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ نیکی و احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، بیشک خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے، اللہ اہلِ تقویٰ کو دوست بناتا ہے، خدا صبر و تحمل والوں سے دوستی کرتا ہے، وہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، خداوند ان لوگوں سے دوستی رکھتا ہے جو راہِ خدا میں جہاد کرنے والے، اور مومنین سے نرم دلی کا سلوک کرنے والے ہیں، خدا صالحین سے دوستی رکھتا ہے، اللہ مومنوں کا دوست ہے، وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آتا ہے۔ وغیرہ۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے کہ: اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، خدا فساد کو نہیں چاہتا، وہ ظالموں اور کافروں کو دوست نہیں بناتا، اللہ کسی اترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا، بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتا، جو خیانت کرنے والا گناہ گار ہے، خدا فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا وغیرہ۔

ربّ العزّت کے جتنے اسمائے صفات دوستی و محبت کے معنی رکھتے ہیں، ان میں سے ایک نمایاں اسم وَدُودٌ بھی ہے، جیسے ارشادِ قرآنی ہے کہ:

وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ

اور اپنے پروردگار سے اپنی مغفرت کی دعا مانگو پھر اسی کی بارگاہ میں توبہ کرو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان اور محبت والا ہے۔

اس بارے میں قرآنِ مقدّس کا ایک اور ارشاد یہ ہے کہ: وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ط وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ اور ایسے شخص سے زیادہ اچھا کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو اور وہ ملّتِ ابراہیم کا اتباع کرے جس میں کجی کا نام نہیں اور خدا نے ابراہیمؑ کو اپنا خالص دوست بنا لیا تھا۔

اس آیۂ مبارکہ میں دینِ اسلام کی طرف سے ادیانِ عالم کو ایک عقلی و منطقی چیلنج کرتے ہوئے اسلام (جو فی الاصل ملّتِ ابراہیمی ہے) کی بنیادی خوبیاں بیان کی گئی ہیں، اور فرمایا گیا ہے کہ جس شخص میں یہ چار اوصاف ہوں اُس سے باعتبارِ دین کوئی شخص بہتر نہیں ہو سکتا اور وہ چار اوصاف یہ ہیں: اسلام و تسلیم، نیکی و نیکوکاری، عقیدۂ توحید میں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی اور خدا کی دوستی، یہ چار چیزیں ہیں جو اسلام و ایمان کی جملہ تعلیمات اور ساری خوبیوں پر محیط ہیں اور ان چاروں میں سے مقصدِ اعلیٰ اور درجۂ منتہیٰ خدا کی دوستی ہی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اسلام کی مذکورہ چار خوبیاں نہ صرف حسنِ ترتیب کے لحاظ سے پُرحکمت ہیں بلکہ یہ دین کی حقیقتوں اور معرفتوں سے بھی

مملو ہیں، چنانچہ سب سے پہلے یہاں تسلیم کا ذکر ہے، جس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ ربانی ہدایت کا جو سرچشمہ ہے اس کے لیے تسلیم کرنا اور جھکنا چاہیئے اور وہ نورِ ہدایت ایسا ہے کہ اس کو کوئی زوال نہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں زوال پذیر چیزوں سے دوستی نہیں کرنا، یہ اس حقیقت کی طرف ایک اشارہ ہے کہ سلسلۂ ہدایت میں خدا کا نور ہمیشہ کے لیے موجود ہے، جس کے لیے سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔

اس آیۂ کریمہ کے بموجب اسلام کی دوسری خوبی نیکوکاری ہے، جس میں ہر طرح کی نیک نیّتی، ہر قسم کی نیک باتیں اور تمام نیک اعمال داخل ہیں، جب نیکوکاری میں دینِ خدا سے متعلق تمام نیک نیّتیں، نیک اقوال اور نیک اعمال محدود ہو جاتے ہیں، پھر کیا رہ جاتا ہے، سوائے اس کے کہ خداشناسی اور توحید حاصل کی جائے۔

جب تسلیم کے عنوان سے ہدایت حاصل کی گئی اور نیکوکاری کی صورت میں دینِ اسلام پر مکمل طور سے عمل کیا گیا اور اس کے بعد توحید کا علم بھی آ گیا، تو اس کے بعد دینِ حق کے نتیجہ اور ثمرہ کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا، اور یہاں سے ظاہر ہے کہ یہ نتیجہ و ثمرہ خدا کی دوستی ہی ہے۔

پروردگارِ عالم کی دوستی محض دعویٰ ہی سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ عمل سے ممکن ہے اور عمل بھی اسی صورت میں ہو جس کا ذکر ہوا، تب ہی خدا کی مبارک و مقدس دوستی حاصل ہو سکتی ہے، اور یہ پاک دوستی جو خدا کی مکمل فرمانبرداری کا نتیجہ و ثمرہ اور اعمالِ صالحہ کا اجر و صلہ ہے، اللہ کی

قربت و نزدیکی اور درجاتِ روحانیت کی صورت میں ہے اور علم و حکمت کی حیثیت میں کیونکہ خدا کی دوستی خالی از حقیقت اور صرف نام کی ایک چیز نہیں، بلکہ یہ نورِ صفات کا روحانی مشاہدہ، علم و حکمت کا سرچشمہ اور حقیقی بہشت کا نظارہ ہے، جیسا کہ قولِ قرآن ہے:۔

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۴۷/۶ اور (خدا) ان کو اس بہشت میں داخل کرے گا جس کا انہیں (پہلے سے) شناسا کر رکھا ہے۔ یہاں سے صاف ظاہر ہے کہ حقیقی مومنوں کو پہلے ہی سے بہشت کا شناسا ہونا چاہیئے، اور شناخت و شناسائی مشاہدہ ہی سے متعلق ہے، پس معلوم ہوا کہ خدا کی دوستی و نزدیکی روحانیت کے درجات کی صورت میں ہے جو اس دنیاوی زندگی میں جزوی جنّت ہے، جب حقیقی مومن دیدۂ دل سے اس کا مشاہدہ کرے گا اور اس کی نعمتوں کو پہچان لے گا تب آخرت میں وہ کُلّی جنّت میں داخل ہو سکے گا، اور جو شخص ایسا ہو کہ وہ اس دنیا میں حقیقت کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو ایسا شخص آخرت میں بھی حقیقت کو نہ دیکھ سکے گا، اور جنّت حقیقت ہے۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ آیا ہم خدا کی اس دوستی و محبّت کو عشقِ حقیقی یا عشقِ الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں یا نہیں، اگر کہہ سکتے ہیں تو اس کا کیا ثبوت ہے وغیرہ۔ چنانچہ قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے کہ:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا
يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۲/۱۶۵

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کے سوا (اوروں کو بھی خدا کا) مثل و شریک بناتے ہیں (اور) جیسی محبت خدا سے رکھنی چاہیئے ویسی ہی ان سے رکھتے ہیں اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ خدا کے ساتھ نہایت سخت محبت رکھتے ہیں۔

اس آیۂ مقدسہ کی حکمت کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ باطل خداؤں سے محبت کرتے ہیں، وہ محبت عملی اور معجزانہ تو ہو نہیں سکتی بلکہ سطحی قسم کی ہوتی ہے، لیکن یہ بھی کسی غیر کے لیے نہیں بلکہ اللہ ہی کے لیے ہونی چاہیئے، ان لوگوں کے مقابلے میں ایماندار لوگوں کی جو محبت اللہ تعالیٰ سے ہے وہ بہت ہی قوی اور انتہائی سخت ہے، کیونکہ وہ تو عملی اور معجزانہ اور ایمانِ کامل کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔

اس کے علاوہ اس آیۂ کریمہ کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ "اَشَدُّ حُبًّا" کا اشارہ عشقِ حقیقی کی طرف ہے، کیونکہ محبت کے آخری درجات کا نام عشق ہے اور عشق کی ابتدائی منزلوں کو محبت کہتے ہیں، اس روشن دلیل سے یہ معلوم ہوا کہ ہم خدا کی دوستی و محبت کو دوسرے لفظوں میں عشقِ حقیقی یا عشقِ الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پاک محبت کے بارے میں مذکورہ آیاتِ مقدسہ کے ارشادات کے علاوہ کئی احادیث بھی ہیں، جن سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا کی محبت کا عقیدہ دین کی اساسیات میں سے ہے، چنانچہ حدیثِ شریف کا ارشاد ہے کہ:-

اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ ۔ یعنی یا اللہ! میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اپنی محبّت مجھ کو عنایت فرما، یعنی یہ کہ تو مجھ سے محبّت کرنے لگے اور مَیں تجھ سے محبّت کرنے لگوں۔

اب ہم یہ بیان کریں گے کہ خدا کی اس مقدس محبّت کا وسیلہ د ذریعہ کیا ہے۔

بابِ دُوُم

خدا کی دوستی کا وسیلہ

جب اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبّت یعنی عشقِ الٰہی دینِ اسلام کا بنیادی عقیدہ قرار پایا اور واضح کیا گیا کہ اس کا پھل دنیا میں جزوی طور پر ملتا ہے اور آخرت میں کلّی طور پر، تو اب ہم اس امر کی وضاحت کریں گے کہ آیا خدا کی دوستی و محبت کا حصول کسی وسیلے کے بغیر براہِ راست ممکن ہے یا اس کا کوئی وسیلہ و ذریعہ مقرّر ہے؟ اور اگر اس کا کوئی وسیلہ ہے تو وہ وسیلہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب مہیّا کرنے کے لیے بہت زیادہ غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ خدا کی محبّت دینِ اسلام میں داخل ہے اور اسلام و ایمان کا ذریعہ حضرت محمد مصطفیٰ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ اقدس ہے، لہٰذا خدا کی دوستی و محبّت کا وسیلہ بھی خود آپؐ ہی ہیں، جیسے خداوند تبارک وتعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ :-

(اے رسول!) آپ فرما دیجیے کہ اگر تم (بزعم خود) خدا سے محبّت رکھتے ہو تو تم لوگ میری پیروی کرو کہ خدا تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا[۳:۳۱] -

اس آیۂ مبارکہ میں اگر غور سے دیکھا جائے تو اس کی بہت سی حکمتوں میں سے یہ چند حکمتیں فوری طور پر روشن ہو کر سامنے آجاتی ہیں: ۱۔ خدائے پاک و برتر کی مبارک و مقدّس دوستی و محبّت حاصل کرنے کا واحد راستہ اور بنیادی وسیلہ یہی ہے کہ دل و جان سے آنحضرت صلعم کی مکمل اطاعت و پیروی کی جائے۔ ۲۔ خدا کی دوستی محض دعویٰ ہی سے حاصل ہونے والی شے نہیں، بلکہ اس کے لیے عمل کی خاص ضرورت ہے۔ ۳۔ خدائے بزرگ و برتر کی دوستی و محبّت بلاواسطہ اور بغیر وسیلہ کے کسی کو ملنے والی نہیں، بلکہ یہ بالواسطہ اور ذریعہ و وسیلہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ۴۔ فرمانبرداری کا عظیم ترین مقصد خدا کی خوشنودی اور دوستی ہے۔ ۵۔ اس کے برعکس نافرمانی کا انجام اللہ کی ناراضگی اور دشمنی ہے۔ ۶۔ پروردگارِ عالم کی محبّت اور عشق کی تعلیمات کے حصول کے لیے اور کوئی درسگاہ ہے نہیں، سوائے اس کے کہ رسولِ خدا کی پیروی میں رفتہ رفتہ خدا کی معرفت اور محبّت حاصل کر لی جائے۔ ۷۔ جب خداوندِ عالم کی محبّت کے لیے رسولؐ کی پیروی لازمی قرار پائی، تو اس سے یہ حقیقت ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی محبّت کے بغیر نہ صحیح طور پر آپ کی پیروی ہو سکتی ہے اور نہ ہی خدا کی محبّت و شناسائی، کیونکہ صرف آپؐ ہی ہیں جو اپنے پیرؤں کو خدا کی محبّت اور عشق سکھا سکتے ہیں، اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جبکہ آنحضورؐ سے محبّت کی جائے۔ ۸۔ اس آیتِ پُرحکمت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ خدائے بے نیاز

کسی انسان کو دوست نہیں رکھتا، جب تک کہ انسان خود اس میں عملاً پہل نہ کرے۔ ۹۔ جب خداوند تعالیٰ کسی بندۂ مومن سے دوستی و محبت کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں خدا اپنے دوست بندے کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

آیۂ مذکورۂ بالا کی حکمتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ خدائے برحق کی دوستی و محبت اور عشق کا بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لیے آنحضرت صلعم کی اطاعت و پیروی لازمی ہے۔ جیسے ارشاد ہے کہ:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ. ۴/۸۰

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی تو اس نے خدا کی اطاعت کی۔ اس کلیے سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت و محبت کا ذریعہ آنحضرتؐ ہی ہیں اور آپؐ کی ذاتِ اقدس کے بغیر نہ اللہ کی اطاعت کا فریضہ ادا ہو سکتا ہے اور نہ اس کی محبت حاصل ہو سکتی ہے۔

ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ قانونِ قدرت اور دینِ فطرت کی روشن ترین حقیقتوں میں سے ہے، چنانچہ ارشادِ قرآنی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵/۳۵

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کے حضور میں مقررہ وسیلہ بہم پہنچاؤ اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ تم فلاح پالو۔

وسیلہ کے معنی ہیں قرب، ذریعۂ تقرب اور تقرب حاصل کرنا، نیز

اس کے معنی کسی چیز کی طرف رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں، بہرکیف مذکورہ آیتِ کریمہ میں سب سے پہلے عام ایمان کا ذکر ہے، پھر تقویٰ ہے، پھر وسیلہ ہے، اس کے بعد مجاہدہ اور آخر میں فلاحِ دارَین ہے۔ اس سے اہلِ دانش کو اندازہ ہوا ہوگا کہ اسلام میں وسیلہ ایک اہم ترین کلیہ اور ایک انتہائی ضروری اصول کی حیثیت رکھتا ہے، جو دعوتِ اسلام کے آغاز میں بھی اور اسکے انجام میں بھی چشمِ بصیرت کے سامنے آتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ قربِ الٰہی کا وسیلہ اور واسطہ نہ صرف اُمّت ہی کے لیے ضروری ہے بلکہ اس کا تعلق خود رسولِ خداؐ کی ذاتِ بابرکات سے بھی ہے، جیسا کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا:

بَیْنِیْ وَبَیْنَ رَبِّیْ خمس وسائط: جبریل و میکائیل و اسرافیل واللوح وَالقلم۔

یعنی میرے اور میرے پروردگار کے درمیان پانچ واسطے ہیں وہ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، لوح اور قلم ہیں۔

اس حدیثِ شریف سے یہ حقیقت بدرجۂ اتم واضح اور روشن ہوگئی کہ دینِ حق میں جہاں حبیبِ خدا سرورِ انبیا صلعم کی ذاتِ اطہر وسیلہ اور واسطہ سے بے نیاز نہیں، وہاں آنحضرتؐ کی اُمّت اس اصول سے کس طرح بے نیاز ہوسکتی ہے، پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبّت اور عشق کے لیے وسیلہ چاہیئے، اور یہ وسیلہ آنحضرتؐ کی اطاعت ہے۔

بابِ سوم

رسولِ خداؐ کی دوستی

اہلِ دانش کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی و محبّت کا وسیلہ حضورِ اکرمؐ کی پیروی ہے اور اس تحقیق کے سلسلے میں بعض ایسی حقیقتیں بھی سامنے آگئیں، جن سے خود آنحضرتؐ کی محبّت کے وجوب کا ثبوت مل رہا تھا، تاہم اس باب میں حضورِ اقدسؐ کی دوستی و محبّت کے بارے میں کچھ حقائق درج کیے جاتے ہیں، چنانچہ آنحضرتؐ کی محبّت کی واجبیّت کے سلسلے میں آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ لیکن ہم یہاں اختصار سے کام لیتے ہوئے صرف چند روشن دلیلوں پر اکتفاء کرتے ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم کی سب سے پہلی دلیل یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السّلام کی دعوت و نصیحت سے جن لوگوں نے صریحاً کفر و انکار کیا، اس کا یہی سبب تھا کہ ان لوگوں کو اپنے اپنے پیغمبروں سے دوستی کی بجائے دشمنی تھی، جیسے حضرتِ صالح علیہ السّلام کی زبان سے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد ہے:۔

اس کے بعد صالح ان سے ٹل گئے اور کہا۔ اے میری قوم میں نے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہنچا دئے تھے اور تمہاری خیر خواہی (نصیحت) کی

تھی مگر تم خیر خواہوں کو اپنا دوست ہی نہیں سمجھتے ۷/۷۹ ظاہر ہے کہ کفر و انکار کی وجہ پیغمبر سے بے رغبتی اور عدمِ دوستی ہی ہے۔

آنحضرتؐ سے محبت رکھنے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک خاص محبّت حضرت موسیٰؑ پر ڈالی، جبکہ موسیٰؑ نومولود بچّہ تھے، تاکہ اس محبّت سے متاثر ہو کر فرعون اور اس کی بی بی آپؑ کی جسمانی پرورش اور دیکھ بھال کریں، اور وہ آیت یہ ہے۔ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۲۰/۳۹

اور میں نے تم پر اپنی محبّت کا پَرتو ڈالا تاکہ تم میری خاص نگرانی میں پالے پوسے جاؤ۔ اس حقیقت سے یہ مطلب اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہر بڑے پیغمبر کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر خدا کی محبّت کا پرتو (عکس) ڈالا جاتا ہے تاکہ اس کے ساتھ متعلقہ لوگوں کی دلبستگی پیدا ہو جائے، اور ایسی ہی قدرتی محبّت لازمی طور پر ہمارے نبیؐ آخر زمان صلعم کے لیے بھی مخصوص ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیروی کی ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے شفقت و مہر پیدا کیا، یہ گواہی سورۂ حدید کی آیت ۲۷ کی ہے۔ اس سے کُلّی طور پر یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ کسی پیغمبر کے پیرؤں کے دل میں اپنے پیغمبر کی محبّت کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر ہے، اور یہی مثال آنحضرتؐ کی اطاعت کرنے والوں کے لیے بھی ہے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

چوتھی دلیل یہ آیت ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ۲۳؍۶۔ نبی تو مومنین سے خود ان کی جانوں سے بھی بڑھ کر حق رکھتے ہیں۔ یہاں لفظ "اَوْلٰی" سے جیسے بھی معنی مراد لیں وہ معنی دوستی و محبّت کے بغیر ممکن نہ ہوں گے، اس سے آنحضرتؐ کی دوستی و محبت کی حقیقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے، کہ جس مقدّس ہستی کا حق مومن کی اپنی جان کے حق سے بھی بڑھ کر ہو تو لازمی ہے کہ وہ جانِ عزیز سے بھی زیادہ عزیز ہو۔

پانچویں دلیل یہ حدیث ہے: لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ اَھْلِہٖ وَمَالِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (مسلم باب ۱۴) یعنی کوئی بندہ مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے تمام متعلقین، مال و اسباب اور تمام آدمیوں سے زاید محبوب نہ ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی دوستی و محبّت کے بغیر کسی شخص کا خود کو مومن کہنا محض ایک بے حقیقت دعویٰ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

بابِ چہارم

امامؑ کی دوستی

جاننا چاہیئے کہ خدا اور رسولؐ کی دوستی و محبّت کے ساتھ ساتھ امامِ برحقؑ کی ولایت بھی نہایت ضروری ہے، کیونکہ جس طرح خدا کی اطاعت اور محبّت کا وسیلہ پیغمبر صلعم ہیں، اسی طرح آنحضرتؐ کی اطاعت و محبّت کا ذریعہ امام علیہ السّلام ہیں، لہٰذا امامؑ کی محبت رسولؐ کی محبّت ہے، اور رسولؐ کی محبّت خدا کی محبّت ہے۔

چنانچہ امام علیہ السّلام کی ولایت و دوستی کی پہلی دلیل اس آیۂ مقدسہ سے ظاہر ہے۔ اِنّما ولیّکم اللّٰہُ ورسولُہٗ والّذین اٰمنوا الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون ۵۵ تمہارے اولیاء بس یہی ہیں خدا اور اس کا رسولؐ اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں اصحابِ رسولؐ میں سے کسی فرد نے بھی رکوع کی حالت میں کوئی زکات نہیں دی تھی اور نہ ہی اس مخصوص زکات کے لیے کوئی ظاہری حکم ہے، مگر یہ اتفاق ہی کی بات ہے کہ مولا علی علیہ السّلام حالتِ رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے سوال کیا اور مولانا علیؑ

نے رکوع ہی کی حالت میں سائل کو اپنی انگشتری دی، چنانچہ اس آیۂ مبارکہ میں اس خاص واقعہ کی نشاندہی کرتے ہوئے خدا و رسول کی ولایت کے ساتھ ساتھ حضرت مرتضیٰ علی امامِ اوّل کی ولایت بھی فرض کی گئی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ امیر المومنینؑ کا یہ کارنامہ صیغۂ جمع میں کیوں مذکور ہے؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جنابِ مرتضیٰؑ ابو الأئمۃ کا مرتبہ رکھتے ہیں، لہٰذا آپ کے قول و عمل کی حقیقت و واقعیت میں وہ تمام ائمۂ اطہار بھی شامل ہیں، جو آپ کی نسل سے قیامت تک دنیا میں ظہور پذیر ہونے والے ہیں، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ۱۶/۱۲۰ بے شک ابراہیم ایک پوری اُمّت تھے خدا کے فرمانبردار اور باطل سے کترا کے چلنے والے تھے۔

امامِ عالی مقام کی ولایت کی دوسری دلیل آیۂ اطاعت ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولوالامر کی جو تم میں سے ہیں ۴/۵۹۔

یہاں سے ظاہر ہے کہ یہ اطاعت دینی ہے دنیاوی ہرگز نہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خدا کی اطاعت کے بعد رسولؐ کی اطاعت اس لیے ہے کہ آنحضرت کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور آپؐ کی اطاعت کے بعد صاحبانِ امر یعنی ائمۂ طاہرینؑ کی اطاعت اس لیے ہے کہ ان حضرات

کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ہے پس آیۂ ولایت اور آیۂ اطاعت کا ایک ہی مقصد ہے، کہ نہ ولایت اطاعت کے بغیر میسّر ہوسکتی ہے اور نہ ہی اطاعت ولایت کے سوا ممکن ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی کئی آیتوں میں کافروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے اور مومنوں سے دوستی رکھنے کی تلقین کی گئی ہے، پس اگر ایمان کو تقویت پہنچانے کی خاطر مومنوں کی دوستی ضروری ہے تو مومنوں کے سردار یعنی امامؑ کی دوستی اس سے بھی زیادہ ضروری اور لازمی ہے اور یہ مفروضہ عدلِ خداوندی کے خلاف ہے کہ جن لوگوں کی دوستی ممنوع ہے ان کے سردار ہر وقت دنیا میں موجود ہوں اور جن لوگوں کی دوستی فرض ہے ان کا کوئی سردار اور امیر نہ ہو۔

چوتھی دلیل: جس طرح دینی اطاعت تین درجوں میں مکمل ہوجاتی ہے جو حقیقت میں ایک ہی اطاعت ہے، یعنی خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور اولوالامرؑ کی اطاعت، اسی طرح ولایت کے بھی تین مرتبے ہیں، خدا کی ولایت، رسولؐ کی ولایت اور ائمۂ پاک کی ولایت، اور یہ اصل میں ایک ہی ولایت ہے، جیسے اللہ پاک کا ارشاد ہے۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ باعدائکم وکفیٰ باللّٰہِ وَلِیًّا وَّکفیٰ باللّٰہ نصیراً ۴/۴۵ اور خدا تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے اور دوستی کے لیے بس خدا کافی ہے اور حمایت کے واسطے بھی خدا ہی کافی ہے۔ اس آیۂ مقدسہ میں

ایک طرف باطل کی دشمنی کا ذکر ہے اور دوسری طرف حق کی دوستی کا اور رسولِ مقبولؐ وائمۂ اطہارؑ کی دوستی حق ہے، لہٰذا ہر وہ دوستی جو خدا کی طرف سے ہو وہ حق ہے اور وہ اصل میں خدا ہی کی دوستی ہے، پس یہی وجہ ہے جو فرمایا گیا کہ دوستی وحمایت کے لیے خدا ہی کافی ہے، یعنی خدا کی دوستی وحمایت ملائکہ، رسولؐ، اولوالامرؑ اور مومنوں کی دوستی کی صورت میں کافی ہے، یعنی زمان ومکان اور ظاہر وباطن میں ہمہ رس ہے۔

پانچویں دلیل: قرآن حکیم میں ہے کہ قیامت کے دن فرشتے مومنین سے کہا کریں گے: ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (دوست) ہیں ۴۱/۳۱۔ اس ارشاد سے ایک طرف تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں کی یہ دوستی خدا اور رسولؐ اور اولوالامر کی محبّت واطاعت کے بغیر ناممکن ہے، اور دوسری طرف اس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ خدا کی ولایت فی الاصل ایک ہی حقیقت ہونے کے باوجود کئی مراتب پر مشتمل ہے۔

چھٹی دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۱۰/۶۲ آگاہ رہو اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں۔ جاننا چاہیئے کہ خوف کا تعلق حال سے لے کر ابد تک ہے اور غم کا تعلق حال سے لے کر ازل تک ہے، اب یہاں خدا کی

جن دوستوں کی یہ جو تعریف کی گئی ہے کہ وہ خوف وغم کے زیرِ اثر نہیں، اس کا اشارہ یہ ہوا کہ یہ حضرات نورِ ولایت کی روشنی میں ازلی وابدی حقیقتوں کو جانتے ہیں اور خدا کی رحمتِ کاملہ سے خوب واقف ہیں، پس خدا کے ایسے دوست پیغمبر صلعم کے بعد ائمۂ کرام علیہم السّلام ہیں، جن کی دوستی مومنوں پر واجب ہے کیونکہ خدا بھی ان سے دوستی رکھتا ہے۔

ساتویں دلیل: قرآن (۶۷/۴۳) میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سارے دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ مگر پرہیزگاروں میں ایسا نہ ہوگا، یعنی وہ تو آپس میں دوست ہی رہیں گے، اس کے یہ معنی ہوئے کہ پیغمبرؐ اور امامؑ کی دوستی نہ صرف دنیا میں ذریعۂ ہدایت ہے بلکہ یہ آخرت میں وسیلۂ نجات بھی ہے۔

آٹھویں دلیل: قرآنِ پاک میں ہے کہ: اے ایماندارو خرچ کرلو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ قبل اس کے کہ وہ دن آجاوے جس میں نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی اور نہ کوئی سفارش ہوگی ۲/۲۵۴۔ اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ دنیا ہی میں آخرت کا کچھ سودا کرلینا چاہیے۔ یہیں سے آخرت کے لیے خاصانِ الٰہی کی دوستی حاصل کرنی چاہیئے اور سفارش کا وسیلہ ابھی سے ہونا چاہیئے، ورنہ قیامت کا دن ایسا ہے کہ اس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوتی ہے، نہ کوئی دوستی پیدا کی جا سکتی ہے اور نہ کوئی سفارش ہو سکتی ہے، جب تک کہ یہ سب کچھ یہاں پر مہیّا نہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ آخرت

کا سودا، دوستی اور شفاعت یہیں سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

نویں دلیل: سورۂ فرقان کی آیت ۲۷ اور ۲۸ میں ارشاد ہے کہ: اور جس روز ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھا دے گا، کہے گا کیا اچھا ہوتا میں رسول کے ساتھ راہ پر لگ لیتا، ہائے میری شامت! کیا اچھا ہوتا کہ میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا ۲۵/۲۷-۲۸۔ ان دونوں آیتوں کا یہ ترجمہ زبانِ حکمت سے کہہ رہا ہے کہ مذکورہ ظالم نے جو ظلم کیا اس کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ وہ رسول کے ساتھ راہِ دین پر نہیں لگا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے ایک نامناسب شخص کو دوست بنایا، اگر وہ غیر مستحق شخص کو چھوڑ کر حقدار کو اپنا دوست بناتا تو اس کے نتیجے میں وہ رسول کے ساتھ راہِ حق پر ہو سکتا۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ولایت دینِ اسلام کا پہلا رکن ہے۔

دسویں دلیل: قرآنِ حکیم انسانوں کی فطرت و عادت کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۲/۲۱۶ اس حکم سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا و رسولؐ کے بعد اولوالامر کی اطاعت و دوستی لازمی ہے، تاکہ بُرائی اور بھلائی کی شناخت حاصل ہو اور حق و باطل کے درمیان فرق و تمیز کیا جا سکے۔ کیونکہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ انسان از خود کچھ نہیں جانتا۔

گیارھویں دلیل: سورۂ مائدہ کی آیت ۵۶ میں ارشاد ہے کہ:
اور جس شخص نے خدا اور رسول اور اہلِ ایمان کو اپنا دوست بنایا تو (وہ خدا کے لشکر میں آگیا اور) اس میں تو شک نہیں کہ خدا ہی کا لشکر غالب رہتا ہے ۵/۵۶ اس حکمِ الٰہی میں عقل و دانش والوں کو یہ تصوّر پیش کیا گیا ہے کہ دنیا میں ظاہراً و باطناً حق و باطل یعنی اسلام اور کفر کے درمیان جنگ کا سلسلہ جاری ہی رہے گا اور ہر بار حق کو فتح حاصل ہوگی اور باطل کو شکست ہوگی، اور اس کے نتائج اس دن ظاہر ہوں گے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، لہٰذا دانشمندی اس بات میں ہے کہ خدا، رسول، اولوالامر اور مومنوں کی دوستی اختیار کی جائے۔

بارویں دلیل: ولی اور دوست کا تقرر خدا کی جانب سے ہونا چاہیئے تاکہ وہ ہدایتِ آسمانی اور علمِ لدّنی کا سرچشمہ قرار پائے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم کی اس پاک آیت میں ہے:

وَ اجعل لّنا من لّدنکَ ولیاً وَّ اجعل لّنا من لَّدنکَ نصیرا ۴/۷۵ (یا اللہ) اپنے حضور سے ہمارے لیے ایک دوست (سرپرست) مقرر فرما اور اپنے حضور سے ہمارا ایک مددگار بنا۔ اس آیۂ کریمہ میں "من لّدنکَ" (اپنے حضور سے، اپنی طرف سے اور اپنے پاس سے) قابلِ غور ہے اور اس غور و فکر کا نتیجہ یہی ہے کہ جو کامل انسان علم و حکمت اور تقویٰ میں تمام لوگوں سے افضل ہو، وہی شخص

علم و مرتبت رکھتا ہے اور وہی خدا کے قرب کا درجہ رکھتا ہے، پس ایسی شخصیت امامِ عالی مقام ہی کی ہے، جن کی دوستی و محبّت واجب ہے۔

ان تمام مذکورہ دلائل کی روشنی میں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام حیّ و حاضر کی دوستی و محبّت واجبی اور ضروری ہے، تاکہ صاحبِ امر یعنی امامِ برحق علیہ السّلام کی اطاعت کا شرف حاصل ہو اور اس وسیلے سے پیغمبرؐ کی اطاعت کا درجہ حاصل کیا جا سکے اور رسولؐ کے واسطے سے خدا کی اطاعت کا مرتبہ مل سکے۔

تیرھویں دلیل: حدیثِ شریف کا ارشاد ہے کہ: مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ، یعنی جس نے علیؑ سے محبّت رکھی، اس نے مجھ سے محبّت رکھی اور جس نے علیؑ سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ امامؑ کی محبت پیغمبرؐ کی محبّت ہے اور سب جانتے ہیں کہ رسولؐ کی محبت خدا کی محبّت ہے۔

چودھویں دلیل: آنحضرت نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ ائْتِنِیْ بِاَحَبِّ خَلْقِکَ اِلَیْکَ۔ یا اللہ تیری مخلوق میں جو سب سے زیادہ تجھ کو محبوب ہو اس کو لیکر آ وہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے، پھر حضرت علیؑ آئے اور آپ کے ساتھ کھایا۔) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مخلوقات میں سے علیؑ ہی تھے جنہیں

خدا سب سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔

پندرھویں دلیل: حُبُّ عَلِیٍّ حَسَنَۃٌ لَا یَضُرُّ مَعَھَا سَیِّئَۃٌ

حضرتِ علیؑ سے محبّت رکھنا ایسی نیکی ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ ضرر نہ کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے دل میں امامؑ کی محبت ہوگی۔ اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوگا۔ کیونکہ امامِ عالی مقامؑ کی محبّت آدمی کو نافرمانی سے روک کر اطاعت پر اُبھارتی ہے۔

سولھویں دلیل: وَبُغْضُ عَلِیٍّ سَیِّئَۃٌ لَا تَنْفَعُ مَعَھَا حَسَنَۃٌ۔

یعنی مولا علیؑ سے بغض رکھنا ایسا گناہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی کام نہ آئے گی۔ مطلب یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ اور امامِ برحقؑ کی محبّت اور خوشنودی کے بغیر کوئی نیکی صحیح معنوں میں نیکی نہیں ہوسکتی۔

سترھویں دلیل: لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَّلَا یُبْغِضُہٗ مُؤْمِنٌ۔

یعنی حضرتِ علیؑ سے منافق محبّت نہیں کرنے کا اور مومن اُن سے بغض نہیں رکھنے کا۔ اس حدیثِ شریف سے ظاہر ہے کہ ایمان اور نفاق کے درمیان فرق و امتیاز کے لیے جو معیار مقرر کیا گیا ہے وہ ولایتِ علی علیہ السّلام ہی ہے اور یہ ولایتِ آلِ نبیؐ و اولادِ علیؑ کے سلسلۂ امامت میں جاری و باقی ہے۔

بابِ پنجم

مومنین سے دوستی

گذشتہ ابواب میں خدا اور رسولؐ اور آئمۂ ھدیٰؑ کی دوستی کے ضمن میں مومنوں کی دوستی کی اہمیت کی طرف بھی اشارہ کیا گیا، تاہم یہ بات ضروری ہے کہ اس بارے میں یہاں ایک مختصر باب لکھا جائے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے۔ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۲۸/۳ مومنوں کو چاہیئے کہ کفّار کو دوست نہ بناویں مومنوں کو چھوڑ کر۔ اس آیۂ مبارکہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جہاں دین وایمان سے مضبوط وابستگی کی خاطر مومنوں کی دوستی ضروری قرار دی گئی ہے، وہاں امیرالمومنین یعنی امام علیہ السّلام کی دوستی اور بھی زیادہ ضروری ہوتی ہے۔

سورۂ توبہ (۹) کی سولہویں آیۂ کریمہ میں یوں ارشاد ہوا ہے کہ: کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ظاہر ہی نہیں کیا ہے، جنہوں نے جہاد کیا اور سوائے اللہ کے اور رسولؐ کے اور مومنوں کے کسی اور کو راز دار دوست نہیں بنایا ۱۶/۹۔

اس آیۂ پُر حکمت سے نہ صرف خدا اور رسولؐ اور گروہِ مومنین سے دوستی رکھنے کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیۂ مقدّسہ کے نزول کے بعد کسی وقت میں تمام مسلمانوں سے یہ زبردست امتحان لینا تھا کہ خدا تعالیٰ علیؑ و اولادِ علی علیہم السّلام کے فضائل کو ظاہر کرے اور دیکھا جائے کہ کون تسلیم کرتا ہے اور کون نہیں کرتا ہے۔ اگر مانا جائے کہ مذکورۂ بالا آیۂ مبارکہ اُئمۂ طاہرین علیہم السّلام کی شان میں ہے، تو ان کے رازدار دوست خدا اور رسولؐ اور مومنین ہونے کے یہ معنی ہوں گے، کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور پیغمبرِ اکرم صلعم کی جانب سے علم و حکمت اور رشد و ہدایت کا فیضان جاری ہے اور پھر ان کی طرف سے درجہ بدرجہ مومنوں کو ہدایت کی روشنی ملتی رہتی ہے، اگر یہ حقیقت نہ ہوتی تو اطاعت کے تین مراتب نہ ہوتے۔ یعنی خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور اولوالامرؑ کی اطاعت، یہ تمام حکمتیں لفظِ "وَلِیجَۃً" میں پوشیدہ ہیں جو رازدار دوست اور قلبی دوست کے معنی میں آیا ہے۔

مومنین کے آپس میں جو محبّت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہو اور جس کے لیے خدا نے حکم دیا ہو، وہ ایمان کا ایک حصّہ ہے، چنانچہ اس حدیثِ شریف میں یہی مطلب ہے۔ اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ مِنَ الایمان' یعنی خدا کی وجہ سے محبّت رکھنا (نہ کہ کسی دنیوی غرض سے) ایمان کا ایک جُزء ہے۔

ہم ایسی محبّت کو دینی محبّت بھی کہہ سکتے ہیں، اور اس محبّت کے خود بخود مراتب مقرر ہوتے ہیں، یعنی خدائی محبّت، رسولؐ کی محبّت، امامؑ کی محبّت اور مومنوں کی محبّت، کیونکہ دین کی صورتِ ترکیبی حدود اور مراتب ہی کی ہے۔

یاد رہے کہ حق سے محبّت اور باطل سے نفرت اس لیے ضروری ہے کہ انسان جس چیز سے محبّت کرتا ہے وہ اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔ اس کی طرف کھنچ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہمرنگ و ہم صفت ہو جاتا ہے، اور محبت ہی وہ طاقت ہے جو متفرق دلوں کو ایک کر دیتی ہے، جیساکہ قرآنِ حکیم کا ارشادِ گرامی ہے:۔

اور تم سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور متفرق نہ ہو اور یاد کرتے رہو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے جبکہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پس اُس نے تمہارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تم اس کی نعمت کے طفیل بھائی بھائی ہوگئے ۳/۱۰۳۔ جاننا چاہیئے کہ قرآن، اسلام، نبوّت اور امامت مل کر ہی خدا کی رسّی ہے اور خدا کی عظیم ترین نعمت بھی یہی ہے اور اسی نعمت کی بدولت مسلمان بھائی بھائی ہوگئے تھے۔

اس دینِ اخوّت اور ملّی وحدت سے مسلمانوں میں جو یک رنگی پیدا ہوئی تھی اس کے بارے میں ارشاد ہے کہ: صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً" ۲/۱۳۸ رنگ تو خدا کا ہے اور خدا کے رنگے

سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے۔ یہ ولایت اور محبت کے رنگ کا ذکر ہے۔

انہی معنوں میں رسولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ، یعنی آدمی قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی زندگی میں خدا و رسولؐ، امامِ برحقؑ اور مومنوں سے دوستی رکھتا ہو وہ قیامت کے روز انہی کے ساتھ بہشت میں ہوگا، اس سے بڑھ کر مومنوں کی اور کیا سعادت مندی ہو کہ اسے فردائے قیامت حضرت احدیت کا تقرّب اور نبیؐ اور علیؑ کی ہمنشینی کا شرف ملنے والا ہے۔

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

بابِ ششم

نیک اعمال سے دوستی

قرآنِ حکیم زبانِ حکمت سے جو تعلیمات پیش کرتا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ ایمان کا مرکز انسانی قلب یعنی مومن کا دل ہے وہ ایمان محض نام کی چیز ہرگز نہیں بلکہ وہ ایک زندہ اور روشن حقیقت ہے جب ایک حقیقی مومن روحانیت کے ایک اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے تو وہ دیدۂ دل سے نورِ ایمان کا مشاہدہ کرسکتا ہے، خدائے جلیل و جبّار اس حقیقت کا گواہ ہے کہ ایمان حقیقی مومن کے دل کو عملاً بہشت کا نمونہ بنادیتا ہے، پھر مومن کی ایمان سے بہت محبّت ہوتی ہے اور اس وقت کفر، فسق و نافرمانی سے نفرت ہوتی ہے اور ایسے مومنین ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور یہی مطلب اس آیۂ کریمہ میں ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۴۹/۷

لیکن خدا نے تو تمہیں ایمان کی محبّت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کفر اور بدکاری اور

نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔

جب مکمل ایمان کا کوئی ذکر ہوتا ہے، تو اس میں لوازمِ ایمان اور نتائج و ثمراتِ ایمان بھی مراد لیے جاتے ہیں، پس جاننا چاہیے کہ ایمان قلبِ مومن میں نورانیت کی ایک سدابہار دُنیا ہے، اور اُس سے مومن کی محبّت لازمی شئے ہے۔ جیسا کہ قرآنِ حکیم کا ارشادِ مقدّس ہے کہ: أُولَـٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ۵۸/۲۲

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں (اللہ تعالیٰ نے) ایمان لکھ دیا اور ان کی مدد اپنی ایک روح سے کی یعنی قلوبِ مومنین میں اللہ تعالیٰ کا یا فرشتوں کا ایمان لکھ دینا یہ ہے کہ ایمانِ کامل کے نتائج و ثمرات روحانیت کی ایک روشن دنیا کی صورت میں نیا رہو گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان لوازمِ ایمان اور نتائجِ ایمان سے مومن کی بہت محبّت ہوتی ہے۔

قرآنِ مقدّس (۳۸/۳۲) میں ذکرِ الٰہی کو عزیز رکھنے اور اسے تمام دنیوی چیزوں پر ترجیح دینے کا اشارہ موجود ہے (۲/۲۱۶) میں زبانِ حکمت سے یہ فرمایا گیا ہے کہ تم نورِ ہدایت کی روشنی میں غلط انتخاب سے بچ کر ہر نیک عمل سے دوستی رکھو اور ہر بد عمل سے نفرت کرو۔

۳/۹۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ: تم مکمل نیکی کو کبھی حاصل نہ کر سکو

گے جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کروگے۔اس سے معلوم ہوا کہ حلال چیزوں سے محبّت رکھنا جائز ہے مگر موقع پر ان میں سے راہِ خدا میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

سورہ ۲۴ کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خدا تمہاری خطا معاف کرے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی بخشش کو دوست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۂ قیامت (۷۵) کی آیت ۲۰-۲۱ میں دنیا سے محبّت کرنے اور آخرت کو چھوڑنے پر اعتراض کیا گیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آخرت سے محبّت کی جائے۔

الجمعہ (۶۲) کی آیت ۱۳ میں فرمایا گیا ہے کہ: مومنین اللہ پاک کی طرف سے مدد اور فتح کے دلدادہ ہوتے ہیں، جو عنقریب حاصل ہونے والی ہے۔

غرض یہ کہ قرآنِ حکیم میں ایسے بہت سے واضح ارشادات اور اشارات موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نیکی سے محبّت اور بدی سے نفرت ضروری ہے، تاکہ ولایت کے مدارج طے ہو سکے اور ابدی نجات حاصل ہو۔

بابِ ہفتم

خلاصۂ مطلب

"ولایت نامہ" کے اس مقالے کے سلسلے میں شروع سے لے کر یہاں تک جو حقیقتیں بیان ہوئی ہیں، ان کا خلاصہ یہی ہے کہ دین یعنی عقیدہ اور ایمان کی بنیاد و اساس اور اصل صورت حقیقی محبّت ہی ہے، یعنی خدا و رسولؐ اور نائبِ رسولؑ کی دوستی و محبّت، جو مکمل اطاعت کی صورت میں ہونی چاہیے، اور یہی اصول دینِ اسلام کی اُن چار منزلوں میں کارفرما ہے، جو شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کے نام سے مشہور ہیں، کیونکہ حقیقی محبّت کے بغیر راہِ خدا کی کوئی مسافت طے نہیں ہو سکتی۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام ہی دینِ فطرت اور قانونِ قدرت کا درجہ رکھتا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ فطرت کا اساسی قانون مہر و محبّت ہے، چنانچہ ذی روح مخلوقات میں حسبِ مراتب اس کی واضح مثالیں موجود ہیں، خصوصاً انسان میں، کیونکہ وہ فطرتِ الٰہی کا سب سے مکمل اور بہترین نمونہ ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا مقدّس فرمان ہے: فطرتَ اللہ التی فطر الناسَ علیھا لا تبدیل لِخلق اللہ۔ ۳۰/۳۰ یہی خدا کی

فطرت (سرشت) ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی فطرت میں (تغیر و) تبدّل نہیں ہو سکتا۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بزرگ ناموں میں سے دو زیادہ مشہور نام رحمٰن اور رحیم ہیں، جو رحمت سے مشتق ہیں اور لفظ رحمت میں خدائی مہر و محبّت اور شفقت کے معنی پنہاں ہیں اور اس میں حقیقی مہر و شفقت کے جملہ وسائل مہیّا ہو جانے کا اشارہ ہے، کیونکہ خداوند بخشندہ و مہربان کی مہر و محبّت اور مہربانی بغیر وسیلہ کے ناممکن ہے، جیسے فرمایا گیا ہے کہ:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۲۱/۱۰۷ اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں پر رحمت کرنے کے لیے۔ اب یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے آنحضرتؐ کو رحمتِ کُل کی حیثیت سے اس دنیا میں بھیجا ہے، تو آنحضورؐ خدا ہی کی رحمت قرار پائیں گے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ پیغمبرِ آخر زمانؐ الرحمان و رحیم کی تفسیر و تشریح ہیں، یعنی آپؐ رحمتِ خداوندی کا سرچشمہ ہیں اور آپؐ کی نورانی صفات میں خدا کا نور جلوہ نما ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ قُلۡ لَّآ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِى الۡقُرۡبٰى ۴۲/۲۳ (اے رسولؐ) کہہ دیجئے کہ میں اس (تبلیغِ رسالت) کا اپنے قرابت داروں (اہلِ بیتؑ) کی محبّت

کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ اہلِ بصیرت کے لیے یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں آلِ رسولؐ کی دوستی و محبّت فرض کر دی گئی ہے، اور آلِ رسول علیہم السّلام پنجتن پاک اور ائمّۂ طاہرین ہی ہیں، جن کی دوستی خدا کی طرف سے واجب ہے، تاکہ آسمانی ہدایت کے سرچشمہ اور خدائی رسّی کے ساتھ مومنوں کی مضبوط وابستگی برقرار رہے۔

اگر مذکورۂ بالا آیۂ کریمہ کے بارے میں یہ خیال کیا جائے کہ اس میں اصحابِ رسولؐ اور گروہِ مسلمین کے اپنے جسمانی قرابت داروں کی دوستی کا حکم دیا گیا ہے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انہیں اجازت ہے کہ خواہ وہ کافر کیوں نہ ہو، وہ اپنے اپنے جسمانی رشتہ داروں سے دوستی رکھیں، مگر ظاہر ہے کہ ایسا کرنے سے قرآن ہی نے منع فرمایا ہے، یعنی کافروں کی دوستی ممنوع ہے۔ نیز "اِلاّ" سے بھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس سے پیغمبرِ خداؐ کے اپنے خاندان کی دوستی مراد ہے نہ کہ مسلمانوں کے قرابت داروں کی دوستی کا ذکر ہے۔

اگر خلافتِ الٰہیہ کی مثال لی جائے تو جہاں خدا کی ولایت حق ہے وہاں رسولِ خداؐ اور نائبِ رسولؑ کی ولایت و دوستی واجب اور ضروری ہے، کیونکہ خدا کی خلافت پر آنحضرتؐ متمکن ہیں اور آپؐ کی نیابت امامِ برحقؑ کو حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ھادی ہے، اور ظاہر ہے

کہ پیغمبرؐ بھی ہادی ہیں اور امامؑ بھی ہادی ہیں (دیکھئے قرآن ۲۲/۵۴، ۳۰/۵۲، ۱۳/۷) چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ وَکَفٰی بِرَبِّکَ ھَادِیاً وَّنَصِیْراً ۲۵/۳۱ اور آپ کا پروردگار ہدایت اور مددگاری کے لیے کافی ہے۔ یعنی لوگوں کی ہدایت اور مدد کے لیے خدا خود ہی کافی ہے اور کسی غیر کا محتاج نہیں اور پیغمبر اور امام غیر نہیں بلکہ اس کے نورِ مقدّس کے مظہر ہیں، لہٰذا رسولؐ اور امامؑ کی دوستی و محبّت خدا کی دوستی و محبّت ہے جس طرح ان کی ہدایت خدا کی ہدایت ہے۔

قرآنِ مقدّس کی کئی آیات سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف لوگوں پر گواہ ہے بلکہ وہ کائنات و موجودات کی ہر چیز پر بھی گواہ ہے، یہ حقیقت خدا تعالیٰ کے اسم "شہید" سے متعلق ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: اور اسی طرح تم (یعنی ائمۂ اطہار) کو عادل اُمّت بنایا تاکہ لوگوں پر تم گواہ بنو اور رسول (محمدؐ) تم پر گواہ بنیں۔ اس حکمِ خداوندی کا نتیجہ بھی وہی نکلتا ہے کہ اولوالامرؑ کی گواہی پیغمبرؐ کی گواہی ہے اور رسولؐ کی گواہی خدا کی گواہی ہے، لہٰذا یہ بالکل درست اور حقیقت ہے کہ امامِ زمانؑ کی دوستی آنحضرتؐ کی دوستی ہے اور آنحضورؐ کی دوستی خدا کی دوستی ہے۔

آپ سورۂ نور کی آیت ۳۵، سورۂ احزاب کی آیت ۴۶، اور سورۂ حدید کی آیت ۲۸ کو یکجا طور پر غور سے پڑھئے جس سے آپ اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اللہ تعالیٰ کا نور رسولِ محمدؐ کے وسیلے سے اور

آنحضرتؐ کا نورِ امامِ زمانؑ کے توسط سے ہدایت کی روشنی دیتا ہے، یہی سبب ہے کہ نور کا اسم اللہ تبارک وتعالیٰ کے بعد پیغمبرؐ اور امامؑ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ نور فی الاصل ایک ہی ہے، لہٰذا اس نور کی محبّت بھی حقیقت میں ایک ہی ہے۔

بالآخر اس مقالے کے بارے میں میرا کامل یقین ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اس کے بغور مطالعے سے حقیقی مومنوں کو ولایت کی بہت سی حقیقتوں سے آگہی اور تسلّی ہوگی، اور میری عاجزانہ دعا ہے کہ پروردگارِ عالم اپنے محبوب رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور أئمّۂ طاہرین علیہم السّلام کی حرمت سے یہ کتابچہ اہلِ ایمان کے لیے مفید بنائے۔ آمین یا ربّ العٰلمین!!

بتاریخ ۲۴ ماہ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ/ ۶ فروری ۱۹۷۵ء

YAAD-GAAR

50
PAĆAAS-SAALAH
(NISF --- SADI)
(1940-1990)

"BURUŚASKI"
ZABAAN--KII
QHIDMET